حفظ حیا اور کنواری لڑکیاں

تحریر: ام عبد منیب

کنواری لڑکی کا حسن شادی والے دن: اپنے کنوارے پن کی زندگی میں سادہ لباس پہننے، میک اپ اور بھاری زیوارت استعمال نہ کرنے کی وجہ سے جب لڑکی کو دلہن بنایا جاتا تو اس کا حسن نکھر آتا......ایک فطری سادگی، دوسرے حیا اور معصومیت، تیسرے بناؤ سنگھار کی زندگی میں پہلی بار لوازمات استعمال کرنے کی وجہ سے وہ خوبصورتی، رعنائی و تقدس کا مجسمہ لگتی، شادی کے تصور سے اس کے چہرے پر حیا کی سرخی کا غازہ اسے مزید لازوال ربانی حسن کا شہکار بنا دیتا کیونکہ کسی نامحرم کی غلیظ نظروں سے اسے بچا بچا کر رکھا گیا ہوتا تھا، اس لئے وہ اپنے خاوند کی نظر اور دل میں اتر کر اپنا مقام اور عزت وحیثیت بنا لیتی۔ زندگی میں پہلی بار اس کے بنے سنورے چہرے اور سراپا کو دیکھنے کیلئے جس شخص کی نظر پڑتی وہ اس کا شوہر ہوتا، جس نے اپنے تمام صنفی حقوق کا پروانہ اللہ کی بارگاہ سے اور پھر لڑکی کے والدین سے نکاح کے ذریعے حاصل کر لیا ہوتا تھا۔

جب کہ دورِ حاضر میں لڑکی دلہن بننے سے پہلے کئی بار دلہنوں جیسے کپڑے اور میک اپ کر چکی ہوتی ہے۔ ایک نہیں! کتنے ہی نامحرم مردوں کی بھوکی اور گندی نظروں نے کئی بار اس کے چہرے پر غلاظت کی پچکاری مارنے کی کوشش کی ہوتی ہے ایسے میں حسن کا نکھرنا کیسا؟ الٹا حسن ماند پڑ جاتا ہے۔

طرفہ تماشا یہ کہ مووی بنانے والا مرد عورت کے ایک ایک عضو کو، ایک ایک ادا کو اپنی کمینی، ہوس سے بھری ہوئی، گندی نظر سے دیکھ دیکھ کر مووی کیمرے میں محفوظ کر رہا ہوتا ہے......تف اس شوہر پر، اس باپ پر، اس بھائی پر، اس چچا پر، ماموں پر، یا دادا، نانا پر جس کی غیرت کو مووی کی روشنیاں چھین کر راکھ بنا دیتی ہے۔ اپنی ناموس اور خاندان کی آبرو اسے اپنے ہاتھوں دے کر ساتھ جھولی بھر روپے بھی اس کی نذر کرتے ہیں گویا کہہ رہے ہوں تمہارا شکریہ تم نے ہماری بیٹی کی عفت وعصمت کو تار تار کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ وعید کتنی سخت ہے: (ثَلٰثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الخَمرِ وَالْعَاقُ وَالدَّيُوْثُ الَّذِیْ يُقِرُّ فِیْ اَهْلِهِ الخُبثَ) [رواہ احمد والنسائی] ”تین شخصوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام فرما دی ہے جو شراب پیتا ہے، جو ماں باپ کو تکلیف دیتا ہے، جو اپنے گھر والوں میں ناپاک کام (زنا اور اس کی طرف بلانے والی چیزوں مثلاً بے

پردگی، غیر مردوں سے میل جول) کو برقرار رکھتا ہے''۔

دلہن اور محرم مرد: جب شادی والے دن لڑکی کو دلہن بنایا جاتا تو کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس حالت میں اس کے باپ اور بھائی تک بھی نہ دیکھ پائیں۔اسے برقع یا چادر اوڑھا کر ان کے سامنے لایا جاتا اور وہ اسے الوداعی پیار دیتے۔شادی کے بعد جب لڑکی سسرال کے گھر سے والدین کے ہاں آنے لگتی تو وہ میک اپ وغیرہ دھو کر ختم کر دیتی۔اس کی شرم وحیا اسے یہ اجازت ہی نہیں دیتی تھی کہ وہ باپ، بھائی یا چچا، ماموں وغیرہ کے سامنے میک اپ کیئے ہوئے دلہن بن کر جائے ،اور اب لڑکیاں شادی والے دن کا تو ذکر ہی کیا، منگنی والے دن ہی منگیتر کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھ کر سب محرموں، نامحرموں، رشتہ داروں، دوستوں اور مووی میکر کے سامنے دلہن بنتی اور منگیتر کے ہاتھوں انگوٹھی پہننے اور پہنانے کی رسم ادا کرتی ہیں۔

حیا دارانہ مسائل اور گفتگو: تب خواتین اپنے مخصوص نسوانی مسائل پر بات کرنے کے لئے ایسے کنائے استعمال کرتی تھیں کہ ان کے مفہوم صرف وہی عورت جان سکتی تھی جو خود بھی اس حالت سے گزری ہوتی تھی۔کسی بچے ،لڑکی یا مرد کو سن کر پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ فلاں لفظ یا محاورے سے کیا مراد ہے؟ خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسے مسائل پر بات کرنے کیلئے کنائے کا اسلوب ہی اختیار کیا ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ [البقرة: ۲۲۳] ترجمہ:''تمہاری بیویاں تمہارے لیے بمنزلہ کھیت ہیں سو اپنے کھیتوں میں جس طرف سے چاہو آؤ''۔﴿وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا﴾ [النساء: ۴۳] ترجمہ: ''پھر اگر تم بیمار ہو یا حالت سفر میں ہو، یا تم نے اپنی بیویوں کو چھوا ہو، پھر اگر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی پر ہاتھ مار کر تیمّم کر لیا کرو''۔خود صحابہ کرامؓ بھی ہمیشہ ایسی گفتگو کیلئے کنائے کے الفاظ ہی استعمال کرتے۔چنانچہ انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ام سلیمؓ نے رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا: (اَلْمَرْأَةُ تَرٰى فِيْ مَنَامِهَا مَايَرَى الرَّجُلُ فِيْ مَنَامِهِ) ترجمہ:''اگر عورت خواب میں وہ دیکھے جو آدمی دیکھتا ہے''۔

آپ ﷺ نے فرمایا: (اِذَا كَانَ مِنْهَا مَايَكُوْنُ مِنَ الرَّجُلِ فَلْتَغْتَسِلْ) ترجمہ:''اگر اس میں سے وہی چیز نکلے جو مرد سے نکلتی ہے تو غسل کرے''۔[صحیح مسلم]

ایک عورت عمرؓ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا، میرا خاوند تمام رات عبادت کرتا رہتا ہے، میں اس کے

دین میں کوئی عیب نہیں لگاتی اس نے تین بار کہا۔ایک صاحب پاس موجود تھے انہوں نے کہا عورت کی مراد کچھ اور ہے۔عمرؓ نے پوچھا، کیا؟ ان صاحب نے کہا اس عورت کی مراد یہ ہے کہ اس کا خاوند اس کے حقوق پورے نہیں کرتا، اب عمرؓ کی سمجھ میں بات آئی اور آپ نے اس کے خاوند کو بلا کر سمجھایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان یہ ہے: ﴿لا تقربوا الفوا حش ماظهر منها وما بطن﴾ [الأنعام: ۱۵۲] ترجمہ: ''بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی نہ پھٹکو چاہے کھلی ہو یا چھپی''۔اس میں وہ گفتگو اور الفاظ بھی شامل ہیں جو حیادار نہیں ہوتے اور جنہیں سر عام کرنا، حیا کے منافی ہے، ایسے امور پر بات صرف تین مواقع پر ہو سکتی ہے، قانونی ضرورت کے تحت، طبی ضرورت کے تحت، مسئلہ معلوم کرنے کی غرض سے۔ دور حاضر میں علم وادب، طب، نفسیات، فلسفہ، سائنس کے علوم کی ترویج نے بالغ اور شادی شدہ افراد سے متعلق امور کو اتنا عام کر دیا ہے کہ ایک بچہ بھی ان کا مفہوم سمجھ لیتا ہے۔ مستزاد یہ کہ مصنوعات کی تشہیر اور فیملی پلاننگ کی عمومی تعلیم اور ترویج نے ننگے الفاظ اور عریاں مناظر کو اس قدر عام کر دیا ہے، ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا میں کوئی کام ایسا نہیں جسے انسان چار دیواری کے اندر...... یا پردے کے پیچھے یا تنہائی میں لوگوں کی نظروں سے چھپ کر بھی کرنے کا پابند کیا گیا ہے۔

شادی شدہ عورتیں اور حیا: ہماری سابقہ معاشرت میں صرف لڑکیاں ہی کیا! مجموعی طور پر پورے معاشرے میں حیا کا دور دورہ تھا۔ چونکہ تربیت میں حیا گوندھ گوندھ کر بھری ہوئی تھی، اس لئے نکاح کے بعد بھی عورت شرم وحیا کا پیکر ہوتی۔ یہ حیا ہی کا کمال تھا کہ باپ اور بھائیوں کی فرمانبردار اور اطاعت شعار بیٹی جب سسرال جاتی تو ساس سسر کی بھی خدمت گار ثابت ہوتی، خوش دلی اور خاموشی سے دیوروں اور نندوں کے تمام کام اس طرح کرتی جیسے یہ اس کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہوں۔شوہر کی اطاعت، ہمدردی اور غم گساری اس کا خاص وصف ہوتا۔کسی کی زیادتی پر زبان کھولنا، بڑوں کے لحاظ کے باعث اس کیلئے ممکن ہی نہیں ہوتا تھا۔

شاید کہا جائے یہ تو اس کے ساتھ ناانصافی ہے کہ وہ زیادتی پر بھی زبان نہ کھولے۔حقیقت یہ ہے کہ جو شخص کسی معاملے میں ایک بار زبان کھول لیتا ہے اسے اپنی زبان پر بند باندھنا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ اپنے حقوق لینے کیلئے آواز اٹھاتے اٹھاتے خود بھی زیادتی پر اتر آتا ہے۔ نیز اسلام ایک فرد کو حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے، حکم ہے: ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ [بنی اسرائیل: ۲۶] ترجمہ: ''اور قرابت داروں کو اس کا حق دے دو۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہ پر مختلف تعلق داروں کے حقوق ادا کرنے ہی کی بار بار تاکید ہے''۔

عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد (ناروا) ترجیح دینے کا عمل ہوگا اور ایسے کام ہوں گے جنہیں تم برا سمجھو گے۔ صحابہ کرامؓ نے سوال کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! آپ ان حالات میں کیا حکم دیتے ہیں؟ (یعنی ہم کیا کریں) آپ ﷺ نے فرمایا: (تُؤَدُّوْنَ الْحَقَّ الَّذِیْ عَلَیْکُمْ وَتَسْأَلُوْنَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَکُمْ) [صحیح بخاری: ۱۸۴۳] ترجمہ: ''تم وہ حق ادا کرو جو تمہارے ذمے ہوں اور جو تمہارے حق (دوسروں کے ذمے ہوں) ان کا سوال اللہ سے کرو''۔

دنیا میں ایک مسلمان کا ہر عمل خالص اللہ کی رضا کیلئے ہے جس کا انعام رب کریم نے جنت کو ٹھہرایا ہے اور جنت کے حصول کیلئے مشکلات اور ناخوشگوار حالات سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (حُفَّتِ الجنّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ) [صحیح مسلم] ترجمہ: ''جنت ناگوار چیزوں سے گھری ہوئی ہے اور جہنم خوشگوار چیزوں سے گھری ہوئی ہے''۔

لڑکوں میں حیا کے مختلف پہلو: ہماری سابقہ تہذیب میں کسی شریف زادے کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ گلیوں میں کھڑے ہوکر باتیں کرے، قہقہے لگائے، اونچی آواز سے گانے سنے، سیٹیاں بجائے، گنگنائے، بن سنور کر کسی گلی یا رستے سے بار بار گزرے، کسی لڑکی کو دیکھ کر بالوں میں کنگھی کرنا شروع کردے۔

معاشرے کے ہر فرد اور عورت کا یہ اخلاقی فرض سمجھا جاتا کہ وہ حیا کو نقصان پہنچانے والی، نازیبا حرکات پر کسی بھی لڑکے یا لڑکی کو ٹوکیں۔ اسے تہذیب اور آداب کی تعلیم دیں بلکہ سنگین غلطی پر مناسب ہوتا تو وہ سزا دینے کا حق بھی رکھتے تھے۔ آج لڑکے جان بوجھ کر ان راستوں سے گزرتے اور کھڑے ہوتے ہیں جہاں سے نوجوان لڑکیوں کے گزرنے کا امکان ہوتا ہے۔ گرلز سکولوں اور کالجوں کے سامنے چھٹی کے وقت لڑکے جان بوجھ کر کھڑے ہوتے ہیں۔ تب رستہ چلتے ہوئے مرد اگر کسی عورت کو راستے میں دیکھ لیتے تو احترام سے نظریں جھکا کر ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاتے بلکہ اپنا رخ بھی دوسری طرف کر لیتے۔ عورت کیلئے یہ ایک ایسا اعزاز (پروٹوکول) تھا جسے اسلامی تہذیب نے حکماً متعارف کروایا۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور مردوں کو راستہ میں خلط ملط ہوتے دیکھ کر فرمایا: (اِسْتَاخِرْنَ فَاِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيْقِ) [سنن ابی داؤد] ترجمہ: ''پیچھے ہو جاؤ اے عورتو! کیوں کہ تمہیں راستے کے درمیان چلنے کا کوئی حق نہیں، تمہیں راستے کے کنارے چلنا

چاہیے''۔ نامحرم خواتین کو دیکھ کر مردوں کو نظریں جھکانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النور: ۳۰] ترجمہ: ''مومن مردوں کو کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں، یہ ان کیلئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو یہ کام کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے''۔ اور یہ بات مسلمہ ہے کہ نظر کا اجنبی خواتین سے جھکا لینا ہی حفظِ فرج کا پہلا اور اہم ذریعہ ہے۔ اجنبی عورتوں پر نظر پڑنے کے خدشے ہی کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ فِي الطُّرُقَاتِ) ترجمہ: ''راستوں پر بیٹھنے سے بچو''۔ صحابہؓ نے عرض کیا، وہاں بیٹھے بغیر کوئی چارہ نہیں ہم وہاں باتیں کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (اِذَا اَبَيْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوْا الطَّرِيْقَ حَقَّهُ) ترجمہ: ''اگر تم نہیں مانتے تو راستے کا حق ادا کیا کرو''۔ صحابہؓ نے عرض کیا! راستے کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (غَضُّ الْبَصَرِ وَكَفُّ الْاَذٰى وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ) [صحيح مسلم، كتاب السلام] ترجمہ: ''نگاہیں نیچی کرنا، کسی کو ایذا نہ دینا، سلام کا جواب دینا، اچھی بات کا حکم دینا، برے کام سے روکنا''۔

تب مرد حضرات یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ غیر عورتوں کی طرف جان بوجھ کر دیکھنا سخت گناہ ہے، تبھی تو جریر بن عبداللہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اچانک نظر پڑ جانے کے بارے کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے انہیں نظر پھیر لینے کا حکم دیا۔ [صحيح مسلم، كتاب الأدب] وہ تہذیب شادی کے بعد پکنک، ہنی مون اور تفریحی دوروں کے نام ہی سے ناآشنا تھی۔ آج یہ سب کچھ ہر شخص کے معمولات کا حصہ بن چکا ہے، کون نہیں جانتا کہ تفریحی مقامات بے حیائی، آوارگی، اختلاط مرد و زن اور جنسی آلودگی کے اہم اڈے ہیں۔

لڑکیوں کی گفتگو میں مردوں کا تذکرہ: ہماری اس تہذیب میں لڑکیاں کسی نوجوان کا اپنی گفتگو میں ذکر نہیں کر سکتی تھیں، معاشرتی تربیت ان کے دل میں یہ بات بٹھا دیتی تھی کہ کسی نوجوان نامحرم کا کسی انداز سے بھی تذکرہ کرنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تذکرہ کرنے والی اس نوجوان میں دلچسپی رکھتی ہے۔ جب کہ نامحرم مردوں میں دلچسپی لینا شرعاً اور اخلاقاً معیوب ہے۔ دورِ حاضر میں شریف لڑکے تو ایک طرف، لڑکیاں بھی حیا کی لطیف و نفیس قبا کو تار تار کرنے والے فلمی ہیرو اور کھیلوں کے سپر سٹاروں اور ماڈلز کی ایک ایک ادا اور ایک ایک بات پر تذکرہ اور مباحثہ کرتی ہیں۔ کزنوں، بہنوں بھائیوں اور کلاس فیلو اور استادوں کے ساتھ یہ سب زیر بحث لایا جاتا

ہے اور خوب کھل کر ان لوگوں کی حیا باختہ باتوں اور حرکتوں پر داد دی جاتی ہے۔

اسلام کی روح کو اپنے دور خلافت میں محفوظ رکھنے والے خلیفہ عمر فاروقؓ ایک روز گشت لگا رہے تھے، ایک گھر سے چند خواتین کی باتوں کی آواز آرہی تھی، ان میں تبادلہ خیال ہو رہا تھا کہ مدینہ کا سب سے حسین نوجوان کون سا ہے؟ بالآخر وہ شغال نامی شخص پر متفق ہوگئیں۔ فراستِ عمرؓ نے عورتوں کی اس گفتگو اور اس کے حیا کو تباہ کرنے کے اثرات کا اندازہ لگا لیا۔ صبح آپ نے شغال نامی نوجوان کا پتا کروایا۔ وہ سامنے آیا تو واقعی بہت حسین تھا۔ صرف یہی نہیں، اس نے اپنے گیسو سنوارے ہوئے تھے۔ کپڑوں میں بھی نفاست تھی۔ جس نے اس کے حسن اور دل کشی کو مزید دو آتشہ کر رکھا تھا۔ عمرؓ نے اس آتش ساماں کا سر حجام کو بلا کر منڈا دیا تاکہ اس کا حسن کم ہو جائے لیکن اس کا حسن مزید بڑھ گیا۔ آپ نے اس کو صوف کے کپڑے پہنائے اور مدینہ کے باہر چراگاہ میں بھیج دیا تاکہ وہ پتے جھاڑیاں اور کانٹے اکھیڑ کر جانوروں کو کھلایا کرے۔ [سیرت عمر فاروق از ابنِ جوزی]

عمرؓ نے یہ دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص عورتوں کیلئے فتنے کا سامان پیدا کر رہا ہے۔ نہ جانے کتنی عورتوں کے دل اور نیت اس شخص کی وجہ سے فتور میں پڑے ہوئے ہوں گے۔ اسے کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ خوبصورت ہونے کے باوجود مزید خوبصورتی کے لوازمات اختیار کر کے گلیوں اور بازاروں میں عورتوں کے خیال اور نظر کا مرکز بنے۔

مندرجہ بالا واقعہ پر دور حاضر کی مادر پدر آزاد تہذیب کہے گی یہ انسانی حقوق اور شخصی آزادی کے منافی ہے کہ آپ ایک شخص کو من پسند کپڑے پہننے یا من پسند حلیہ اختیار کرنے سے روک کر...... اسے شہر کی پر آسائش زندگی کے بجائے جنگل کی مشکلات بھری زندگی کے حوالے کر دیں لیکن اسلام شخصی آزادی صرف اسے قرار دیتا ہے جس سے معاشرے کے دیگر افراد کے حقوق، آزادی، شرعی حدود اور اخلاقی اقدار کو کوئی ٹھیس نہ پہنچے۔

اس واقعے کی روشنی میں یوں لگتا ہے جیسے آج کا ہر مرد اس قابل ہے کہ اسے وہی سزا دی جائے جو شغال نامی شخص کو عمر فاروقؓ نے دی تھی۔ سوائے چند گنے چنے مرد حضرات کے۔ عمرؓ نے عورتوں کو سزا نہیں دی جس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کو سزا سناتے تو ان کے گھر برباد ہوتے، ان کے خاندان کی آبرو کو نقصان پہنچتا۔ نیز مرد اس لئے بھی قابلِ سزا تھا کہ اسی نے فتنے کا سامان پیدا کیا اور آگ بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ اگر وہ فتنہ پرور مرد شہر ہی میں رہتا تو فتنہ ختم ہونے کے بجائے مزید بڑھنے کے امکانات تھے۔

مکتب کی کرامت: ہماری سابقہ معاشرت میں جہاں جہاں، جس جس طرح حیا کے آبگینے کو ٹھیس پہنچنے کا

خدشہ ہوتا، وہاں اس انداز سے پہرے بٹھائے جاتے کہ خود لڑکے لڑکیاں بھی سمجھ نہ پاتے کہ یہ سب کیوں کیا جا رہا ہے۔ والدین کی تربیت کا طریقہ ہی کچھ ایسا پراثر تھا کہ ان کا اپنے بچوں کو ایک نظر دیکھ لینا ہی کافی ہوتا تھا۔ بچے نظر دیکھ کر فوراً سمجھ جاتے کہ ہماری فلاں حرکت پر ہمیں ٹوکا جا رہا ہے اور فوراً اپنی اصلاح کر لیتے۔ بغیر کسی حسابی اور کتابی علم کے خاموشی سے اصلاح و تربیت کا یہ طریقہ جاری تھا۔ اقبال مرحوم نے بھی اسی نظام تربیت کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے: ؎

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی ۔۔۔ سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

آج نفسیات اور بچوں کی تربیت پر بڑے بڑے دانشوروں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ نصابِ تعلیم میں انہیں پڑھایا جاتا ہے۔ طویل لیکچر دیئے جاتے ہیں۔ میڈیا پر بار بار پروگرام ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود معاشرتی بگاڑ اور بے حیائی کی طرف دن بدن قدم بڑھ رہے ہیں، اولاد نافرمان اور بدتہذیب ہوتی جا رہی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مغرب جس کی نقالی کی خاطر ہم نے اپنی روایات و اقدار کو فرسودہ کہہ کر فراموش کر دیا ہے، وہی ہمارے معاشرے کی حقیقی مسرت، باہمی خیر خواہی اور حسن تربیت اور اصلاح معاشرہ کی بنیاد ہیں۔ جس معاشرے میں یا جس فرد میں جس قدر زیادہ حیا ہوگی وہ معاشرہ یا فرد اتنا ہی پرسکون اور خوبصورتی سے آراستہ ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ...... کنواری لڑکی کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت ہے، آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے اجازت لینا اور ایسے مواقع پر اس کا چپ رہنا بے جا حیا ہے بلکہ آپ ﷺ نے اس کی اس صفت کی یہ کہہ کر تحسین و توثیق فرمائی: (فَذَالِکَ اِذْنُھَا اِذَا ھِیَ سَکَتَتْ) ترجمہ: ''اس کا چپ رہنا ہی اس کی رضامندی ہے''۔ معلوم ہوا کہ حیا کی حفاظت کرنے والے اور حیا کی صفت کسی فرد میں مزید پیدا کرنے والے تمام عوامل اور عادات اس قابل ہیں کہ انہیں مسلم معاشرے میں جاری و ساری کیا جائے اور ان سے ایک باحیا اور باایمان شخص محبت کرے اور اپنی عملی زندگی میں انہیں اپنائے۔

خود اعتمادی یا بے حیائی؟ دور حاضر میں بچوں میں بے باکی، بے حیائی، گستاخی، والدین کے حکم سے بغاوت کو خود اعتمادی کا خوبصورت نام دے دیا گیا ہے۔ جو والدین اپنی بچیوں کو بغاوت، بے حیائی، بے باکی پیدا کرنے والے افعال و حرکات اور ماحول اور گفتگو سے بچانے کی کوشش کریں انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ ان عادات کی وجہ سے آپ کی بچی میں خود اعتمادی پیدا نہیں ہوگی۔ اسے لوگوں کو ڈیل کرنا نہیں آئے گا، آج جھجک، شرم، لحاظ اور حیا

کواحساس کم تری کا نام دے کر بطور نفسیاتی مرض کے متعارف کرایا جا رہا ہے جب کہ اسلام جھجک، حیا اور شرم ولحاظ کی تحسین وتعریف کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو شرم وحیا کے بارے نصیحت کر رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (دَعْهُ فَإِنَّ الحَيَاءَ مِنَ الإِيْمَانِ)[صحیح بخاری] ترجمہ: ''اس کو چھوڑ دے، یقیناً حیا ایمان کی شاخ ہے''۔ معلوم ہوا کہ حیا کی حفاظت کرنے والے اور حیا کی صفت کسی فرد میں مزید پیدا کرنے والے تمام عوامل اور عادات اس قابل ہیں کہ انہیں جاری وساری کیا جائے اور ان سے ایک باحیا شخص محبت کرے اور اپنی عملی زندگی میں انہیں اپنائے۔

دور حاضر میں حیا کی دولت مفقود ہوتی جارہی ہے، معاشرے کا کوئی ایسا ہنر، کوئی فن، کوئی تعلیم، کوئی طبقہ، کوئی کاروبار ایسا نہیں جس نے اپنا حصہ حیا کا نازک آبگینہ توڑنے میں نہ ڈالا ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے شیطان نے ہر شخص کو قصرِ حیا منہدم کرنے کی مہم میں اپنے ساتھ شامل کرلیا ہے۔ سوائے چند گنے چنے لوگوں کے، اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔ اس کے نتائج اس قدر بھیانک اور خوف ناک ہیں کہ الأمان والحفیظ! بچے ماں باپ کی لازوال، بےلوث محبت اور محنت کو ٹھکرا کر اپنے بے حیا، لچر، گندے، ننگے عاشقوں کے ساتھ چل پڑتے ہیں۔ ادھر عیار وشاطر شیطانی مغربی دماغ، این جی اوز کی صورت ہمدردی کا لبادہ اوڑھے ہماری نوجوان نسل کو مزید ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔ گزشتہ سطور میں جو مواز نہ پیش کیا گیا ہے شاید اس کے بارے یہ کہا جائے کہ تب عورت پر بے جا پابندیاں عائد تھیں۔ وہ گھٹن اور ظلم کی شکار تھی۔ تہذیبِ حاضر نے عورت کو ترقی کی شاہراہ پر چلنے کے قابل بنایا ہے۔ اس نے اسے اپنے حقوق کا شعور دیا ہے۔ بے جا پابندیوں کے جال توڑ کر اس نے آزاد فضا میں سانس لینے کا حق حاصل کیا ہے۔

جی ہاں! خود اسلام بھی بے جا پابندیوں کا حامی نہیں بلکہ اس نے تو بغیر کسی دانشور کی تحریر کے...... بغیر کسی احتجاجی جلسے، جلوس اور تحریر کے...... بغیر کسی عورت کی یاددھانی یا حقوق کی بازیابی کی آواز اٹھانے کے، آج سے چودہ سو سال پہلے عورت کو اس کے حقوق از خود دلائے۔ عورت کے حقوق جن سے اس کی فطری خصوصیات اور اوصاف میں نکھار آیا۔ جنھوں نے اس کی حیا، تقدس اور عفت کو بہترین تحفظ عطا کیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾[الأنعام: ۱۵۱] ترجمہ: ''بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ چاہے وہ ظاہر ہو یا چاہے پوشیدہ''۔

گویا بے حیائی کے وہ تمام سوراخ جن سے اس کی بدبو کا ذرا سا بھبوکا بھی اسلامی معاشرے اور قلب

مومن میں داخل ہوسکتا ہے۔اس کو بند کرنے کا حکم دیا۔انسان شعوری طور پر حیا کے بند ڈھیلے کردے یا لاشعوری طور پر حیا سے روٹھ کر ناطہ توڑ دینے والے کام، باتیں یا حرکتیں کرے،ان سب سے بچنا ایک مسلمان کا فرض ہے۔جب کہ ایک کم عمر، غیر شادی شدہ، نا تجربہ کار، آبگینے کی طرح شفاف، پھولوں کی طرح معصوم، کلیوں کی طرح نازک بچی کو ایسے امور سے بچانا مطلوب ومقصود اور محمود ومندوب عمل ہے۔

دور حاضر میں یورپی تہذیب اور اس کے نتائج اس خیال کی تائید وتوثیق کر رہے ہیں کہ عورت کو گھٹن سے نکالنے کی تحریک نے اسے جو بے باکی، شوخی، بے حیائی، جرأت، نظارہ اور فکری آوارگی دی ہے، اسے گھر سے باہر نکل کر اپنے معاملات خود طے کرنے کی شہہ دی ہے وہ حیا کی احتیاطی تدابیر سے غفلت برتنے کا ہی نتیجہ ہے۔

آج اسلام کو دنیا میں وہ مقام حاصل نہیں جو ہمارے اسلاف کے ادوار میں حاصل تھا۔زوال امت مسلمہ کا گھیراؤ کئے ہوئے ہے لیکن سوال یہ ہے کہ زوال شروع کہاں سے ہوا؟ اس کا اشارہ ہمیں معاویہؓ کی اس بات سے ملتا ہے۔آپؓ ایک بار مدینہ منورہ آئے۔آپؓ کے ہاتھ میں بالوں کا ایک چوٹلا تھا۔آپؓ منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''اے اہل مدینہ! کہاں ہیں تمہارے علماء، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ اس قسم کی چیزوں سے منع کرتے تھے اور فرماتے: (اِنَّمَا هَلَكَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ حِيْنَ اتَّخَذَ هٰذِهٖ نِسَاءُ هُمْ) [صحیح مسلم] ترجمہ: ''بنی اسرئیل اس وقت ہلاک ہوئے جب ان کی عورتوں نے اس قسم کی (عیش وعشرت کی) چیزیں استعمال میں لانی شروع کردیں''۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ کپڑے کی ذراسی دھجی یا بالوں کی چھوٹی سی گچھی کا ایک قوم کے زوال سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ لیکن ہمارا یہ ایمان ہے کہ فرمودہ رسالت مآب ﷺ سچا ہے اور حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل جیسی زندہ قوم کے زوال کا سبب یہ بالوں یا کپڑے کی دھجی جیسی معمولی چیز ہی تھی۔

اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں میں بننے سنورنے کا شوق اپنی حدود سے بڑھنے لگا۔رفتہ رفتہ ان کا یہ شوق مردوں تک متعدی ہوا۔اور آخر کار پوری قوم کا مطمع نظر حسن پرستی، عورت کا حصول اور دنیوی عیش وعشرت بن گیا۔آج ہمارے ساتھ بھی یہی المیہ اور یہ واقعہ تو پیش نہیں آرہا؟

آیئے! اپنے حقیقی سکون اور معاشرے کی بقا کیلئے اسلامی اقدار وآداب اور حیا جیسی بہترین نکھار پیدا کرنے والی صفت کو بڑھانے والے عوامل کو رواج دیں۔ان پر اپنی عملی زندگی کی بنیاد رکھیں۔بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے سامنے بند باندھ دیں۔؂

حقیر سمجھ کر جنہیں بجھا دیا تو نے   وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی